(۱۶)

اسلام کا بلند ترین نصب العین دنیا میں کامل مساوات قائم کرنا ہے

(فرمودہ ۱۹/ اپریل ۱۹۳۵ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ اور آیات قرآنیہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ یَزِیْدَھُمْ مِنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ[۱] کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

چونکہ جمعہ کے بعد مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوگا ، اس لئے جمعہ کی نماز کے ساتھ ہی مَیں عصر کی نماز جمع کر کے پڑھا دوں گا ۔ یہ چند آیات جو میں نے قرآن کریم کی تلاوت کی ہیں اپنے اندر ایک نہایت ہی وسیع مضمون رکھتی ہیں اور اس کے بہت سے چھوٹے چھوٹے جملے لمبی تفسیر چاہتے ہیں ایسی تفسیر کہ جو اختصار کے ساتھ بھی ایک خطبہ میں بیان نہیں کی جا سکتی اس لئے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی تو

سورہ جمعہ کی طرح آئندہ خطبات میں تفصیلاً اس کو بیان کردوں گا فی الحال جس غرض کیلئے میں نے یہ آیات پڑھی ہیں وہ یہ ہے کہ انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد دنیا میں قومیتوں اور دائروں کو مٹانا ہوتا ہے۔ انبیاء جو نور لے کر دنیا میں آتے ہیں اور جس نور کے ذریعہ وہ دنیا کو روشن کرتے ہیں وہ لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ہوتا ہے نہ وہ مشرقی ہوتا ہے نہ مغربی بلکہ وہ آسمانی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی خاص جگہ کا نہیں بلکہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ وہ مغرب کا ہے نہ مشرق کا، شمال کا ہے نہ جنوب کا، زمین کا ہے نہ آسمان کا بلکہ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ جب تک کسی جماعت میں یہ تعلیم قائم رہتی ہے وہ فاتح، غالب، کامیاب اور کامران رہتی ہے اور جب کوئی جماعت اس تعلیم کو بھول جاتی ہے اس کے اندر تنزل، اختلاف، انشقاق اور افتراق پیدا ہو جاتا ہے۔ دل تبھی پھٹتے ہیں جب دوئی آ جائے جب ایک مشرق ہو اور ایک مغرب۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں دو چیزیں ہوں لیکن جب نہ مشرق ہو نہ مغرب بلکہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کا مقصود ہو جو نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ ہے مغرب میں بھی وہی نور ہے اور مشرق میں بھی، شمال میں بھی وہی نور ہے اور جنوب میں بھی، پس جب وہی چیز ہر جگہ ساری و طاری ہو تو پھر یہ جھگڑا کہاں سے پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم کون اور تم کون۔ رسول کریم ﷺ جب دنیا میں مبعوث ہوئے، اس وقت قوموں کے سوال زوروں پر تھے آپ کی بعثت عرب میں ہوئی اور عرب قومیت کے بڑے پابند تھے۔ ان کے اندر یہ پابندی اس حد تک تھی کہ بعض قبائل کے آدمی اگر کسی دوسرے قبیلہ کے کسی شخص کو مار دیتے تو انہیں سزا نہ دی جاتی کیونکہ لوگ کہتے یہ چھوٹے قبیلے کا آدمی تھا اور وہ بڑے قبیلے کا آدمی ہے۔ تو بڑے بڑے قبائل اپنے لئے دوسرے قانون کا تقاضا کرتے اور چھوٹے قبائل اور قانون کا تقاضا کرتے یہاں تک کہ ان کے شودر بھی بالکل کوئی مطالبہ نہ کر سکتے۔ اگر کوئی غلام مارا جاتا تو اس کے بدلے آزاد شخص قتل نہ کیا جا سکتا۔ پھر یہ امتیاز اس حد تک تھا کہ اگر ایک بڑے آدمی کا غلام چھوٹے آدمی کے غلام کو مار دیتا تو پھر بھی فرق کیا جاتا اور کہا جاتا کہ گو یا ایک غلام نے غلام کو مارا ہے مگر یہ بھی تو دیکھو کہ کس کے غلام نے کس کے غلام کو مارا۔ مارنے والا بڑے آدمی کا غلام ہے اور مارا جانے والا چھوٹے آدمی کا غلام ہے اس صورت میں سزا کس طرح دی جا سکتی ہے، تو امتیازِ نسل اور امتیازِ مدارج ان میں انتہاء درجہ پر ترقی یافتہ تھا۔ رسول کریم ﷺ آئے تو آپ نے یہ امتیاز ایسا مٹایا کہ آج کل باوجود تنزّل کے، باوجود اس کے کہ مسلمانوں نے

ہندوؤں اور عیسائیوں سے پھر امتیازات لے لئے ہیں، آج تک غیر قومیں یہ کہتی ہیں کہ اچھوت اگر کھپ سکتے ہیں تو مسلمانوں میں ہی دوسری قوموں میں نہیں۔ یہ مسلمانوں کی گری ہوئی حالت کی اب تک کیفیت ہے۔ عرب کا ایک قبیلہ تھا بہت زبردست قبیلہ کوئی ساٹھ ہزار آدمی اس میں تھے یہ پُرانے زمانہ میں عیسائی ہو چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں غالباً پھر مسلمان ہوئے، ان کا ایک سردار جبلہ نامی تھا، یہ لوگ شام کی سرحد پر رہتے تھے ایک دفعہ جبلہ حج کے لئے یا کسی اور غرض کے لئے عرب میں آیا تو وہ ایک دن پھر رہا تھا کہ کسی اور مسلمان کا پاؤں اس کے ازار یعنی تہ بند پر پڑ گیا جس سے اسے جھٹکا لگا اور وہ ڈھیلا ہو گیا۔ جبلہ نے یہ دیکھا تو اس نے مسلمان کو چپیڑ ماری اور کہا بدتمیز آدمی! تم شریف اور وضیع میں فرق کرنا نہیں جانتے اور دیکھتے نہیں کہ کس کے ازار پر تم نے پاؤں رکھا۔ اس شخص نے تو یہ دیکھ کر کہ یہ کوئی نو وارد آدمی ہے۔ خاموشی اختیار کر لی مگر کسی اور شخص نے جبلہ سے کہا کہ تجھ سے ایک ایسی حرکت ہوئی ہے کہ تیری بڑی عزت بھی اس کی سزا سے تجھے نہیں بچا سکتی بہتر یہی ہے کہ تم اس سے معافی مانگو۔ جبلہ نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں معافی مانگوں۔ اسی جوش میں وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور کہا اے بھائی! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ میں چھوٹے بڑے کا لحاظ نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمان سب برابر ہیں چھوٹے بڑے کا ہم میں کوئی سوال نہیں۔ اس نے پھر پوچھا کہ دنیا میں کوئی چھوٹا ہوتا ہے کوئی بڑا۔ آپ نے پھر فرمایا کہ ہم میں کوئی بڑا چھوٹا نہیں۔ اس نے کہا اگر کوئی چھوٹا آدمی گستاخی کرے اور بڑا اسے مارے تو کیا اس صورت میں بھی آپ لوگوں میں کوئی امتیاز نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جبلہ کہیں تم نے تو کسی کو نہیں مارا؟ خدا کی قسم اگر تم نے کسی کو مارا ہے تو جب تک میں تجھے اس کے بدلہ میں پٹوا نہ لوں گا مجھے چین نہیں آئے گا اس وقت تو جبلہ وہاں سے بہانہ بنا کر آ گیا مگر واپس آ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے قبیلہ کی طرف بھاگ گیا اور اپنے تمام قبیلہ سمیت پھر عیسائی ہو گیا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔

غرض اسلام قوموں کے امتیازات کو مٹا دیتا ہے مگر یہ امتیازات بھی قلوب میں کچھ اس طرح داخل ہو چکے ہیں کہ لوگ ان کے مٹنے کو برداشت نہیں کر سکتے حالانکہ اسلام نام ہے ایک نئی زندگی اور نئی پیدائش کا۔ گویا ہر انسان جو اسلام لاتا ہے یا احمدیت قبول کرتا ہے وہ اپنے پچھلے جسم پر ایک موت

وارد کرتا اور پھر اسلام کے گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ چھوڑ دیتا ہے اپنے آباء واجداد کو، وہ چھوڑ دیتا ہے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو اور سب کچھ ترک کر کے اسلام کے گھر میں جنم لیتا ہے، اسلام ہی اس کا باپ ہوتا ہے، اسلام ہی اس کی ماں ہوتی ہے اور تمام کے تمام مسلمان اس کے بھائی اور بہنیں ہوتے ہیں اور ایک ماں باپ کی اولاد میں فرق تھوڑا ہوسکتا ہے۔ انگریزی قوم اپنی فتوحات کی وسعت کے لحاظ سے اپنے آپ کو کتنا بڑا سمجھے لیکن اس میں کیا شبہ ہے کہ جب ایک انگریز احمدی ہوتا ہے تو اس سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے سارے غرور کو پیچھے چھوڑ کر آئے گا اور اب اپنے آپ کو مسلمانوں کا ایک بھائی سمجھے گا، ہندوؤں میں سے ایک برہمن جب اسلام لاتا ہے تو اس سے امید کی جاتی ہے کہ وہ آئندہ اپنے آپ کو صرف مسلمان سمجھے گا برہمن نہیں سمجھے گا، اسی طرح کوئی ہندوستانی، افغانی، چینی، جاپانی یا روسی جب اسلام لاتا ہے تو وہ اپنی قومیت کو بھول جاتا ہے یہ نہیں کہ وہ اپنے ملک کی خدمت نہیں کرتا۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ [۲] اور اسلام ہمیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تمہارے قریب کے لوگ گندے ہوں تو ان کی زیادہ اصلاح کرو۔ اس لحاظ سے اگر کوئی جاپانی جاپانیوں کی، چینی چینیوں کی اور پٹھان پٹھانوں کی اصلاح کرتا ہے تو وہ اسلام کے خلاف نہیں بلکہ اس کے مطابق کرتا ہے لیکن یہ اصلاح اسی حد تک ہو کہ انسان عیوب دور کرے اور قوم کی گری ہوئی حالت کو درست کرے لیکن اگر وہ امتیاز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ انگریز ہے اور یہ ہندوستانی، یہ جاپانی ہے اور وہ چینی تو اس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ ہماری جماعت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اب اس نور کو قائم کیا ہے جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آج سے تیرہ سو برس پہلے قائم کیا گیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اب یہی پیغام لے کر آئے ہیں کہ اپنے آپ کو صرف خدا تعالیٰ کا بندہ سمجھو اور چھوڑ دو ان باتوں کو کہ ہم مدراسی ہیں اور فلاں بنگالی، ہم برمی ہیں اور فلاں پنجابی۔ ان چیزوں نے دنیا میں بڑے بڑے تفرقے پیدا کئے ہیں اور جب تک کسی کے دل میں اس قسم کا خیال رہے وہ حقیقتاً مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اسلام چاہتا ہے کہ وہ دنیا کو ایک چیز بنادے اور ان امتیازات کی موجودگی میں ہم ایک چیز بن کس طرح سکتے ہیں۔ ناممکن ہے کہ تم پانی لو اور اس سے مکان تیار کرسکو۔ ممکن نہیں کہ تم اینٹیں کھاؤ اور اس طرح اپنی پیاس بجھا سکو۔ جب کوئی متضاد پروگرام اپنے سامنے ہو تو اس وقت کام کس طرح ہوسکتا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے دو کشتیوں پر پاؤں رکھا جائے۔ مگر دو

کشتیوں پر پاؤں رکھنے والا کام نہیں کیا کرتا بلکہ یا تو وہ غرق ہو جاتا ہے یا چر جاتا ہے۔ اگر ہم بھی اپنے دل میں یہی خیال رکھیں کہ ہم پٹھان ہیں یا ہم عرب ہیں یا ہم انگریز ہیں یا ہم ہندوستانی ہیں یا ہم جرمن ہیں یا چینی ہیں یا ہم جاپانی ہیں تو یقیناً اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم کچھ بھی نہیں اور ہم ایسی مخلوق ہیں جس نے نور کو تو دیکھا مگر نور کو دیکھ کر اس کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ یہی سورج روشنی دیتا ہے اور یہی سورج اندھا بھی کرتا ہے۔ کئی بیوقوف لوگ جب کئی کئی گھنٹے متواتر سورج کی طرف دیکھنا شروع کر دیتے ہیں تو وہ اپنی آنکھوں کو ضائع کر لیتے ہیں۔ پس نور ضروری نہیں کہ روشنی بخشے بلکہ وہ اندھا بھی کر دیا کرتا ہے اس صورت میں ہم سمجھیں گے کہ خدا تعالیٰ کا نور تو آیا اور ہم نے اسے دیکھا مگر وہ ہمیں اندھا کر گیا اور ہم نے اس سے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا۔ پس اس موقع پر جب کہ آج ہم میں بنگالی بھی موجود ہیں، ساؤتھ انڈیا کے لوگ بھی موجود ہیں، بمبئی، یو۔ پی، بہار، افغانستان اور پنجاب کے مختلف علاقوں کے لوگ بھی آئے ہوئے ہیں اور یوں بھی ہمارے اندر ہمیشہ سماٹرا اور جاوا وغیرہ کے لوگ رہتے ہیں، جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہمارے اندر سے اس قسم کے امتیازات مٹ جانے چاہئیں۔

مجھے خصوصیت سے یہ اس لئے خیال پیدا ہوا ہے کہ بعض تازہ واقعات نے مجھے ادھر متوجہ کر دیا ہے دو صوبے ایسے ہیں جن میں بدقسمتی سے ہمیشہ سے یہ سوال رہتا ہے، ایک صوبہ بنگال اور دوسرا صوبہ سرحد، میں اس وقت نہ بنگالیوں کو الزام دیتا ہوں اور نہ سرحدیوں پر الزام لگاتا ہوں مجھے اس سے غرض نہیں کہ کون مجرم ہے اور کون نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کسی دل میں جب تک یہ خیال ہو کہ ہم سرحدی ہیں اور ہم پنجابی، اس وقت تک احمدیت اس دل میں جمع نہیں ہوسکتی اور جب کبھی میرے سامنے ایسا سوال آیا ہے میں نے اس کو مٹانے کی کوشش کی ہے۔ میں تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کبھی پنجابی نہیں سمجھتا اور میں سمجھتا ہوں کہ جب ایک انسان اسلام قبول کرتا ہے اس وقت وہ تمام امتیازات کو مٹا کر اپنے آپ کو صرف مؤمن سمجھتا ہے۔ ہم اس وقت دائرہ سیاست کے لحاظ سے اور اس وجہ سے کہ گورنمنٹ کا قانون ہمیں وسعت نہیں دیتا صرف ہندوستان کی بہتری کی تجاویز سوچتے ہیں ورنہ جس دن احمدیت کا زور چلے گا وہ ان تمام امتیازات کو مٹا دے گی، اس سوال کو کہ ہندوستانی کون ہے اور چینی کون، جاپانی کون ہے اور جرمن کون، یہ وہ منزلِ مقصود ہے جس کو پانے کے لئے ہر سچا احمدی کوشش کرتا رہے گا اور اگر ہم اس مقصود کو حاصل نہ کر سکیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ ہم نے اپنے

فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی۔

خدا تعالیٰ کے قانون میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ جب تک کسی قوم کا قدم ترقی پر ہوتا ہے، اس وقت تک ہر آنے والی رَو اس کی پہلی رَو سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ پہاڑوں پر جاتے ہوئے ہی دیکھ لو پہلے معمولی سی اونچائی دکھائی دیتی ہے، پھر ٹیلے نظر آتے ہیں یوں جیسے کہ پڑاوے[۳] ہوتے ہیں پھر اور اونچی جگہ آتی ہے پھر اور اونچی جگہ آتی ہے یہاں تک کہ نہایت ہی بلند و بالا پہاڑیوں تک انسان پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح آندھی آتی ہے تو پہلے ایک معمولی جھونکا آتا ہے پھر اس سے بڑا جھونکا آتا ہے اور پھر اس سے بڑا جھونکا آتا ہے یہاں تک کہ اتنے زور کی آندھی آتی ہے کہ وہ چھتوں کو اُڑا کر لے جاتی ہے۔ یہی گرمی کا حال ہے پہلے تھوڑی گرمی ہوتی ہے پھر زیادہ گرمی ہو جاتی ہے اسی طرح سردی ایک دن کم ہوتی ہے، دوسرے دن اس سے بڑھ کر اور پھر اس سے زیادہ۔ اللہ تعالیٰ کے اس قانون کے ماتحت اسلام کی پہلی رَو چلی تو مسلمانوں نے اس حد تک اس رَو کو پہنچا دیا کہ مساوات دنیا میں قائم کر دی، اب دوسرا جھونکا احمدیوں کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے چلایا ہے اور ہمارا فرض ہے کہ جو امتیازات کی بنیادیں ابھی باقی ہیں ان کو دنیا سے مٹا دیں۔

پس ہمارے خیالات ہمیشہ اس نقطۂ نگاہ کے ماتحت رہنے چاہئیں کہ ہم احمدی ہیں یہ نہ ہو کہ ہم سرحدی ہیں اور وہ بنگالی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر یہ فطرتی بات ہوتی تو ہمارے اندر کیوں نہ ہوتی۔ افغانستان کے آدمی یہاں آتے ہیں، مدراس کے آدمی یہاں آتے ہیں، بنگالی یہاں آتے ہیں مگر کبھی ایک سیکنڈ کے لئے مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ یہ اور ہیں اور ہم اور، اور ہمیں چونکہ یہ بتانا پڑتا ہے کہ فلاں شخص کہاں سے آیا، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ فلاں سرحدی ہے اور فلاں بنگالی۔ ورنہ ہمیں نہ تو بنگالیوں میں بنگالیت نظر آتی ہے اور نہ پنجابیوں میں پنجابیت بلکہ ہمیں تو ہر چہرہ میں احمدیت نظر آتی ہے لیکن چونکہ انسانی عادات میں فرق ہوتا ہے اس لئے مناسب یہی ہؤا کرتا ہے اور کامیابی اسی میں ہوتی ہے کہ جس صوبہ کا کوئی آدمی ہو اسے اس صوبہ میں ہی کام کرنے کا موقع دیا جائے اس لئے نہیں کہ وہ سرحدی ہے اور اسے سرحد میں کام کرنے کا موقع دینا چاہیئے، اس لئے نہیں کہ وہ بنگالی ہے اور اسے بنگال میں کام کرنے کا موقع دینا چاہیئے بلکہ اس لئے کہ وہ کام کو اپنے صوبہ میں ہم سے زیادہ بہتر کر سکتا ہے اور چونکہ وہ اپنے صوبہ کی زبان اور لوگوں کی عادات و اطوار کا بہرحال زیادہ واقف ہوگا اس

لئے مناسب سمجھا جاتا ہے کہ اسے کام کرنے کا موقع دیا جائے لیکن اگر اس لحاظ سے کوئی مقرر کیا جائے کہ صوبہ سرحد میں سرحدی ہونا چاہئے اور بنگال میں بنگالی ہونا چاہئے تو میں اس کا شدید مخالف ہوں گا لیکن اگر اس لحاظ سے ایک سرحدی کو صوبہ سرحد میں اور ایک بنگالی کو صوبہ بنگال میں کوئی عہدہ دیا جائے کہ وہ اپنے صوبہ میں ہم سے بہتر کام کرسکتا ہے تو یہ جائز ہوگا پنجابیوں میں سے بھی آخر ہر ایک کو امیر یا جماعت کا پریذیڈنٹ نہیں بنایا جاتا بلکہ قابلیت دیکھی جاتی ہے پھر اس میں کیا شبہ ہے کہ بنگال کا آدمی ایک پنجابی کی نسبت اپنے صوبہ میں کام کرنے کے لحاظ سے زیادہ قابل ہوگا وہ لوگوں تک بخوبی باتیں پہنچا سکتا ہے پھر عادات کا فرق بھی ہوتا ہے جس کا طبائع پر بھاری اثر پڑتا ہے۔ انسان بعض دفعہ ایک طرز کے آدمی سے بات زیادہ جلدی سمجھ لیتا ہے مگر دوسری طرز کے آدمی سے بات جلدی سمجھ نہیں سکتا۔ پس اس لئے کہ قدرت نے اس کو قابلیت زیادہ دی ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ وہاں کے لوگوں کا زیادہ عمدگی سے نگران بن سکتا ہے لیکن صرف اسی نقطۂ نگاہ سے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور اگر اس لحاظ سے سوال اٹھایا جائے کہ چونکہ سرحدی صوبہ ہے اس لئے وہاں ضرور ایک سرحد کا رہنے والا مقرر کرنا چاہئے۔ یا بنگال میں بہرصورت بنگالی مقرر کرنا چاہئے تو میں اس کو سخت ناپسند کروں گا بلکہ یہ زیادہ پسند کروں گا کہ وہ جماعت ٹوٹ جائے بہ نسبت اس کے کہ وہ جماعت رہ جائے پس اس موقع پر جبکہ چاروں طرف سے ہماری جماعت کے نمائندگان آئے ہوئے ہیں میں انہیں بتاتا ہوں کہ ہمارے لئے اب نہایت ہی نازک وقت ہے جب تک تم اپنی زندگیوں کو تبدیل نہیں کرو گے، جب تک تم ایک نئی پیدائش حاصل نہیں کرو گے اس وقت تک کامیابی حاصل کرنا محال ہے۔ مجھے بعض دفعہ حیرت آتی ہے کہ کیا انسانی دماغوں میں اتنا عظیم الشان فرق ہوتا ہے کہ کوئی شخص کچھ سمجھتا ہے اور کوئی کچھ، جس نقطۂ نگاہ سے میں اس وقت دنیا کو دیکھ رہا ہوں اس کے لحاظ سے مخالفت کا ایک دوزخ ہے جو دنیا میں چل رہا ہے اس فتنہ کو مدنظر رکھتے ہوئے نہیں جو اس وقت احرار نے اٹھایا ہوا ہے بلکہ اس فتنہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جس کو دور کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا گیا۔ احراری تو اب ہماری مخالفت کیلئے اُٹھے ہیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آج سے کئی سال پہلے دنیا کے فتن دور کرنے کے لئے بھیجا میں حیران ہوں کہ ان بڑے فتنوں کو ہماری جماعت کیوں نہیں دیکھ سکتی۔ اگر ہماری جماعت انہیں محسوس کر لے تو یہ سارے

امتیازات اس طرح بھول جائیں کہ ہمیں کبھی یاد بھی نہ آئیں۔ لطیفہ مشہور ہے کہ لکھنؤ کا ایک سیّد اور دہلی کا ایک مغل کسی سٹیشن پر اکٹھے ہو گئے مغل اپنی بادشاہت کے گھمنڈ میں تھا اور سیّد اس گھمنڈ میں کہ میں ایسے خاندان میں سے ہوں جس کا دنیا میں کوئی ثانی نہیں۔ پھر لکھنؤ اور دہلی والوں کے تہذیب و شائستگی کے دعوے ایک طرف تھے۔ ریل آئی تو ایک کہے مرزا صاحب آپ پہلے تشریف رکھیں اور وہ کہے کہ سید صاحب آپ تشریف رکھیں اب جھک جھک کر سلام ہو رہے ہیں ایک کہتا ہے آپ چلئے دوسرا کہتا ہے آپ چلئے اتنے میں ریل نے سیٹی دی وہ چل پڑی اب سید مغل کو دھکا دے کر آپ بیٹھنا چاہے، اور مغل سید کو دھکا دے کر آپ بیٹھنا چاہے تو تکلفات سے کام انسان اسی وقت لیتا ہے جب انسان کے دماغ میں آرام کے خیالات ہوں لیکن جب آگ لگ جاتی ہے تو اس وقت کب انسان معمولی معمولی باتوں پر جھگڑا کرتا ہے ہزارہا واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ لوگ سینما دیکھنے کے لئے گئے اور وہاں آگ لگ گئی تو مائیں اپنے بچوں کو روندتے ہوئے گزر گئیں۔

غرض جب مصیبت سامنے ہو تو اس وقت نہ محبت کے امتیاز قائم رہتے ہیں اور نہ دشمنی کے امتیاز نظر آتے ہیں اگر ایک سینما، ایک دعوت گھر اور ایک سٹیشن میں آگ لگ جانے کی وجہ سے تمام ظاہری امتیازات مٹ جاتے ہیں تو دنیا میں ہماری مخالفت میں جب اتنی بڑی آگ لگی ہوئی ہے جس کی نظیر نہیں، جب ہم پر وہ بوجھ لادا گیا ہے جس سے کمریں جھکی چلی جارہی ہیں، اس وقت یہ جھگڑا کرنا کہ فلاں پریذیڈنٹ کیوں بنا فلاں بننا چاہئے یا فلاں امیر کیوں ہوا فلاں ہونا چاہئے، ایسی ذلیل باتیں ہیں جنہیں سن کر مجھے پسینہ آجاتا ہے اور مجھے حیرت آتی ہے کہ کیا احمدیت نے جو تغیر ہم میں پیدا کرنا چاہا تھا وہ اب تک ہم میں پیدا نہیں ہوا جب ایک مقصود ہمارے سامنے ہوتا ہے اس وقت باقی چیزیں ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں کسی شاعر نے کہا ہے۔

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے

اس کے مطابق اگر اللہ تعالیٰ ہمیں نظر آجائے تو پھر اور کون ہے جسے انسانی آنکھ دیکھ سکتی ہو یہی چیز ہے جسے ہم دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں ورنہ اس کے سوا اور کیا چیز ہے جو ہم دنیا کو دکھا سکتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مبعوث ہو کر ہمیں کیا دیا ہے آپ نے ہمیں عہدے نہیں

دیئے ، زمینیں نہیں دیں، مربعے نہیں دیئے، بادشاہتیں نہیں دیں اور اگر لوگ ہم سے پوچھیں کہ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ لوگوں کو کیا دیا تو ہم سوائے اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے ہمیں خدا دے دیا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقع میں ہمیں خدا مل گیا۔ تھوڑے ہی دن ہوئے میں نے ایک رؤیا دیکھا تھا بلکہ رؤیا کیا وہ ایک کشف کی سی حالت تھی میں اسے بیان بھی کر چکا ہوں میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے ہے اور میں اس سے چمٹا چلا جاتا ہوں اور یہ کہتا جاتا ہوں

ہیں تیری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا

تو اللہ تعالیٰ کی نگاہیں تیغ تیز کی طرح ہوتی ہیں جس کے دیکھنے سے باقی تمام جھگڑے کٹ جاتے ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ ان آیات میں فرماتا ہے کہ مؤمن کا دماغ ایسے زیتون سے روشن ہوتا ہے کہ اس کے متعلق شرقی غربی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جس کے دل میں وہ تیل جل رہا ہو جو لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ کا مصداق ہو وہ قومیتوں اور امتیازات کو مٹا دیتا ہے لیکن وہ شخص جس کے دل میں قومیت اور ملکی رسوم ورواج کا دخل ہو، اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے دل میں ابھی وہ نور روشن نہیں ہؤا جو خدا تعالیٰ ہر مؤمن کے دل میں روشن کرنا چاہتا ہے۔ پس مٹا دو ان تمام خیالات کو اور یہ سمجھنے لگ جاؤ کہ ہم احمدی ہیں اور احمدی بھی ہم باقی دنیا سے امتیاز کرنے کے لئے اپنے آپ کو کہتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہم تو عباد اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے خادم ہیں اور اگر کوئی ہم سے پوچھے تو دراصل ہمارا نام عبداللہ ہے۔ پس جب ہم اللہ تعالیٰ کے غلام ٹھہرے تو غلاموں میں بھلا کیا امتیاز ہؤا کرتا ہے، غلام کو تو جہاں مقرر کیا جائے اس کا فرض ہے کہ وہ وہاں کام کرے اگر غلام کہلاتے ہوئے کوئی شخص جھگڑے تو اسے کون حقیقی غلام کہہ سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے میں نے ایک لطیفہ سنا ہؤا ہے جو شاید مقاماتِ حریری یا کسی اور کتاب کا قصہ ہے آپ فرمایا کرتے کہ کوئی مہمان کسی جگہ نہانے کے لئے گیا حمام کے مالک نے مختلف غلاموں کو خدمت کے لئے مقرر کیا ہؤا تھا اتفاق ایسا ہؤا کہ اس وقت مالک موجود نہ تھا جب وہ نہانے کے لئے حمام میں داخل ہؤا تو تمام غلام اسے آ کر چمٹ گئے اور چونکہ سر کو آسانی سے ملا جا سکتا ہے اس لئے یکدم سب سر پر آ گرے، ایک کہے یہ میرا سر ہے، دوسرا کہے یہ میرا سر ہے، اس پر آپس میں لڑائی شروع ہو گئی اور ایک نے

دوسرے کے چاقو مار دیا جس سے وہ زخمی ہو گیا شور ہونے پر پولیس آئی اور معاملہ عدالت تک پہنچ گیا عدالت کے سامنے بھی ایک غلام کہے یہ میرا سر تھا، دوسرا کہے میرا سر تھا عدالت نے نہانے والے سے پوچھا تو وہ کہنے لگا حضور یہ تو بے سر تھے ان کی باتوں پر تو مجھے تعجب نہیں تعجب یہ ہے کہ آپ نے بھی سوال کر دیا حالانکہ سر نہ اِس کا ہے نہ اُس کا، سر تو میرا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ مثال اس لئے دیا کرتے تھے کہ دنیا کے جھگڑے بیہودہ ہوتے ہیں میرا کیا اور تیرا کیا۔ غلام کا تو کچھ بھی نہیں ہوتا وہ تو جب اپنے آپ کو کہتا ہے کہ میں عبداللہ ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب اس کا کچھ نہیں سب کچھ خدا تعالیٰ کا ہے، اس کے بعد میرے تیرے کا سوال ہی کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ قرآن مجید پڑھ کر دیکھ لو اس میں رسول کریم ﷺ کا نام بھی عبداللہ رکھا گیا ہے جیسا کہ آتا ہے لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ [۴] تو خدا تعالیٰ کا غلام ہوتے ہوئے ہماری کوئی چیز نہیں رہتی بلکہ سب کچھ خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اسی لئے قرآن مجید نے بالوضاحت بتایا ہے کہ ہم نے مؤمنوں سے مال و جان لے لی دوست، عزیز، رشتہ دار سب جان کے ماتحت آتے ہیں اور باقی مملوکات مال کے ماتحت آتی ہیں اور یہی دو چیزیں ہوتی ہیں جن کا انسان مالک ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے یہ دونوں چیزیں مؤمنوں سے لے لیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں یہ جھگڑے نہیں ہونے چاہئیں کہ یہ چیز میری ہے اور وہ اس کی۔ تم اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے زور لگاؤ اور چھوڑ دو ان باتوں کو کہ تم کہو فلاں پریذیڈنٹ کیوں بنا فلاں کیوں نہ بنا، فلاں سیکرٹری کیوں ہوا فلاں کیوں نہ ہوا، یا جب تک فلاں شخص امام نہ بنے ہم فلاں کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ مجھے افسوس ہے کہ کئی دفعہ اس قسم کی شکایات پہنچ جاتی ہیں کہ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں ہم فلاں احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے حالانکہ میں نے یہ بات کہ کسی احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا مت چھوڑو اتنی دفعہ دہرائی ہے کہ میں سمجھتا ہوں اگر ایک طوطا میرے پاس ہوتا تو وہ بھی یہ ضرور سیکھ جاتا کہ اختلاف کی بناء پر کسی احمدی کے پیچھے نماز پڑھنی کبھی نہیں چھوڑنی چاہئے۔ پس تعجب کہ میاں مٹھو تو یہ سیکھ سکتا ہے مگر ابھی تک ہماری جماعت کے بعض میاں مٹھو ایسے ہیں جو اس بات کو ابھی تک نہیں سمجھے۔ میں اس قسم کے لوگوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تم نے اپنی ضد کو نہیں چھوڑنا تو تم احمدی ہی کس لئے ہوئے تھے اگر احمدیت کے بعد بھی یہ لعنت کا طوق تمہارے گلے میں رہنا تھا تو تم معمولی اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیتے تو تم نے کیوں احمدیت

میں داخل ہو کر اس پاک اور مقدس چشمہ کو گندہ کیا۔ تم میں سے اس قسم کے لوگوں کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ مکہ گیا تو چشمۂ زمزم میں پیشاب کرنے بیٹھ گیا لوگوں نے اسے مارا پیٹا تو وہ کہنے لگا پیشاب میں نے اس لئے کیا ہے کہ لوگ باتیں تو کریں گے کہ فلاں شخص آیا اور اس نے یہ حرکت کی۔ یہی ان لوگوں کا حال ہے یہ تو خالص انبیاء اور ان کے خلفاء کا حق ہے کہ وہ کہیں فلاں کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ زید یا بکر کو کس نے حق دیا ہے کہ ان میں سے جس کا جی چاہے وہ اپنے میں سے کسی احمدی کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی گالیاں دیتا ہے، بُرا بھلا کہتا ہے، معاملات کے لحاظ سے خراب ہے، حتّٰی کہ وہ اپنے لوگوں کو مرتد بھی کہہ دیتا ہے، پھر بھی کسی کا حق نہیں کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنی ترک کرے۔ اور یہ بات میں نے اتنی بار کھول کھول کر بیان کی ہے کہ اگر ایک طوطے کو مَیں یہ سبق پڑھاتا تو وہ ضرور پڑھ جاتا مگر ہم میں سے بعض ایسی موٹی عقل کے آدمی ہیں کہ وہ معمولی معمولی باتوں پر لڑتے جھگڑتے اور یہ سوال پیدا کر دیتے ہیں کہ ہم فلاں کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریقِ عمل تمہارے سامنے ہے اسے دیکھو اللہ تعالیٰ آپ کو اشارے کر رہا ہے کہ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے مگر آپ ان کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ تم پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفّر یا مکذّب یا متردّد کے پیچھے نماز پڑھو۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کہتا ہے کہ آپ نبی ہیں مگر پھر بھی آپ ان کے پیچھے نماز ترک کرنے کا فتویٰ نہیں دیتے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اشارے چھوڑ کر نصِّ صریح کے ذریعہ کہتا ہے کہ اب حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفّر و مکذّب وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھی جائے جیسا کہ تحفہ گولڑویہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا ذکر کیا۔

ایک طرف بانی سلسلہ احمدیہ کا یہ نمونہ ہے حالانکہ یہ ایک مذہبی سوال تھا اور اس ذات پر ایمان لانے کا سوال تھا جس کی بعثت کی خبر تمام انبیاء دیتے چلے آئے مگر آپ اشاروں کے باوجود نماز پڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے تم پر غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنا حرام اور قطعی حرام ہے مگر ہماری جماعت کے بعض لوگوں کی یہ حالت ہے کہ وہ اتنی سی بات پر کہ فلاں شخص کیوں پریذیڈنٹ ہو گیا یا فلاں سیکرٹری کیوں بن گیا ناراض ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم الگ جمعہ پڑھیں

گے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ اس قسم کے لوگ مخلص بھی کہلاتے ہیں اور پھر ایسی حرکات کرتے ہیں جو میرے نزدیک منافق بھی نہیں کرتے۔ آخر رسول کریم ﷺ کے زمانہ کے منافقوں کے متعلق بھی تو یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ انہوں نے اتنے معمولی سے اختلاف کی بناء پر دوسروں کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی ہو۔ پھر منہ سے ایمان کا دعویٰ کرنا اور عمل وہ اختیار کرنا جو منافق بھی اختیار نہ کرتے ہوں کس قدر افسوسناک امر ہے۔ اس کا سوائے اس کے اور کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ یا تو یہ لوگ باتیں سنتے نہیں اور اگر سنتے ہیں تو ایسی حالت میں کہ ان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں اور کانوں میں روئی ٹھونسی ہوئی ہوتی ہے اور اخباریں بھی جب ان کے پاس جاتی ہیں تو وہ انہیں نہیں پڑھتے۔ ورنہ وجہ کیا ہے کہ اتنے تواتر سے بات کہی جاتی ہے اور پھر بھول جاتی ہے میں اس بات کو سمجھ سکتا تھا کہ وہ جماعت یہ کہہ دیتی کہ ہم خلیفہ کو نہیں مانتے، میری عقل تسلیم کرسکتی تھی کہ انسان ایک وقت گر کر یہ کہہ سکتا ہے کہ خلافت کی ضرورت نہیں مگر ایک طرف منہ سے یہ دعویٰ کرنا کہ خلافت پر ہماری جان قربان ہے اور دوسری طرف یہ کہنا کہ ہم خلیفہ وقت کے فلاں حکم کو نہیں مانیں گے ایسی بات ہے جسے میری عقل کبھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوسکتی۔ میں نے ایک دفعہ رسول کریم ﷺ کو رؤیا میں دیکھا آپ ایک اور شخص سے فرما رہے تھے اَ تُصَدِّقُنِیْ وَلَا تُؤْمِنُ بِیْ ارے تُو میری تصدیق تو کرتا ہے مگر میری بات نہیں مانتا۔ گویا یہ ایک حدیث ہے جو رسول کریم ﷺ کے منہ سے میں نے براہِ راست سنی۔ لوگ تو احادیث کے متعلق یہ بحثیں کیا کرتے ہیں کہ یہ احاد میں سے ہے اور یہ تواتر میں سے۔ فلاں کے راوی ثقہ ہیں اور فلاں کے نہیں۔ مگر یہ وہ حدیث ہے جو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سنی کہ اَ تُصَدِّقُنِیْ وَلَا تُؤْمِنُ بِیْ یعنی تُو میری بات کو تو سچا سمجھتا ہے مگر اسے مانتا نہیں۔ یہی حالت ہماری جماعت کے بعض لوگوں کی ہے میں حیران ہوتا ہوں کہ ہمارے بعض دوستوں کی یہ کیا عادت ہے کہ وہ نہ تو خلافت کا انکار کرتے ہیں اور نہ میری بات مانتے ہیں اس لئے ایک دفعہ پھر اس موقع پر جبکہ تمام جماعتوں کے نمائندے جمع ہیں میں کہتا ہوں کہ اس قسم کی غیر معقول باتیں مؤمنانہ شان سے بہت بعید ہوتی ہیں۔ اول تو یہ اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں کہ انسانی ذہن کو انہیں یاد بھی نہیں رکھنا چاہئے۔ میری اپنی یہ حالت ہے کہ بعض دفعہ میرے پاس کوئی شخص آتا ہے اور کہتا ہے چھ مہینے ہوئے مجھ سے یہ غلطی ہوئی تھی آپ معاف فرما دیں میں کہتا ہوں مجھے یاد ہی نہیں کہ

ایسی بات کب ہوئی تھی وہ واقعات کو دہرانا چاہتا ہے تو میں کہتا ہوں واقعات کو کیوں دُہراتے ہو میری عادت ہے کہ میں دوسروں کی کوتاہیوں کو بھلا دیا کرتا ہوں اور میں کوشش کیا کرتا ہوں کہ اگر کسی کی نیکی ہو تو مجھے یاد رہے اور اگر کسی کی بدی ہو تو وہ مجھے بھول جائے اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ لوگوں کی بدیاں مجھے بھول جایا کرتی ہیں بلکہ یاد دلانے پر بھی یاد نہیں آتیں۔ لوگوں کی ہزارہا بدیاں میرے سامنے آتی ہیں اور میں انہیں اتنا بھلاتا ہوں، اتنا بھلاتا ہوں کہ میرے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی ان کی یاد نہیں رہتی بلکہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بتانے والا بتاتا ہے اور میں کہتا ہوں مجھے یاد نہیں اور میں سمجھتا ہوں ہر مؤمن کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کی خوبیاں یاد رکھے اور عیوب کو بھلا دے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی جھگڑا اور فتنہ وفساد پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کسی بزرگ کا ایک شاگرد تھا جب وہ تعلیم حاصل کر کے اپنے وطن جانے لگا تو وہ بزرگ اسے کہنے لگے میاں تمہارے وطن میں شیطان بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ وہ حیران ہو کر کہنے لگا حضور شیطان بھلا کس جگہ نہیں ہوتا۔ فرمانے لگے۔ اچھا یہ تو بتاؤ اگر شیطان تم پر حملہ کرے تو تم کیا کرو گے (اس موقع پر بعض بچوں کے شور کی آواز بلند ہوئی تو حضور نے فرمایا بچے شور مچا رہے ہیں اگر کسی کو توفیق مل جاتی کہ وہ بچوں کو سمجھا دیتا کہ نماز شور مچانے کے لئے نہیں ہوتی تو بہتر ہوتا۔ خطبہ بھی نماز کا ایک حصہ ہوتا ہے اور خطبہ میں بولنا بھی ویسا ہی منع ہے جیسا کہ نماز میں) وہ شاگرد کہنے لگا کہ میں اس حملہ کو روکوں گا اور اس کا مقابلہ کروں گا۔ بزرگ کہنے لگے اچھا اگر ایک دفعہ رک گیا اور تم نے پھر خدا تعالیٰ کی طرف بڑھنے کی کوشش کی اور وہ پھر تم پر حملہ آور ہو گیا تو پھر کیا کرو گے۔ کہنے لگا پھر مقابلہ کروں گا۔ وہ فرمانے لگے اگر تیسری دفعہ پھر ایسا ہی ہؤا اور تم خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے جونہی بڑھے وہ تم پر حملہ آور ہو گیا۔ تو تم کیا کرو گے وہ کہنے لگا میں پھر مقابلہ کروں گا فرمانے لگے اگر تم اس طرح کرنے لگے تو پھر تمہاری ساری عمر شیطان سے لڑتے ہی گزر جائے گی خدا تعالیٰ کی محبت کب حاصل ہو گی۔ وہ کہنے لگا پھر میں کیا بتاؤں اور تو کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ فرمانے لگے اچھا یہ بتاؤ اگر تم کسی دوست سے ملنے جاؤ اور اس کا کتا تم پر حملہ کر کے تمہاری ایڑی پکڑ لے تو تم کیا کرو گے۔ وہ کہنے لگا میں کتے کو مار کر ہٹاؤں گا اور اپنے دوست کی طرف بڑھوں گا۔ فرمانے لگے اچھا اگر پھر ایسا ہی ہؤا اور جب تم دوست کے مکان میں داخل ہونے لگے تو اس نے پھر تمہاری ایڑی پر حملہ کر دیا تو کیا کرو گے۔ کہنے لگا حضور پھر میں اس

دوست کو آواز دوں گا کہ اپنے کتے کو ہٹانا یہ اندر آنے نہیں دیتا۔تو اس بزرگ نے اس رنگ میں اپنے شاگرد کو یہ سمجھایا کہ تمہاری روحانی مدارج طے کرتے وقت یہی حالت ہونی چاہئے ۔ بجائے شیطان سے لڑنے اور اپنے وقت کو ضائع کرنے کے خدا تعالیٰ سے کہو کہ اے خدا! تو شیطان کو میرے راستہ سے ہٹا ۔ یہ مجھے تیرے پاس آنے نہیں دیتا ۔ اگر ہم بھی معمولی معمولی باتوں پر لڑنے لگ جائیں، کہیں انجمنوں کے قیام کے سوال پر لڑیں، کہیں اماموں کے سوال پر جھگڑیں، کہیں عہدوں کے حصول کے لئے لڑائی کریں، تو پھر وہ کام کون کرے گا جس کے کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں اس وقت دنیا میں کھڑا کیا ہے ہمیں تو ان تمام باتوں کو بھول جانا چاہئے ۔ ہمارے سامنے ایک عظیم الشان کام ہے ۔ ہم نے تمام دنیا کو فتح کرنا ہے ۔تم سوچ کر دیکھو اپنے بچوں کو تم نے سمجھانا ہوتا ہے ۔ ان کی اصلاح کے لئے تمہاری کوششیں کس طرح بیکار ثابت ہوتی ہیں ۔ بیسیوں لوگ مجھے لکھتے ہیں کہ میرا بچہ بڑا شوخ ہے اس کی اصلاح کے لئے کئی تدابیر اختیار کیں مگر سب ناکام ہوئیں آپ دعا کریں خدا تعالیٰ اسے نیک کرے ۔ جب انسان کو ایک بچے کو سمجھانے کے لئے مشکلات میں سے گزرنا پڑتا ہے تو ہم نے تو لاکھوں لوگوں کو سمجھانا ہے ۔ پھر ان لوگوں کو سمجھانا ہے جو طاقت ، عظمت ، عزت و دولت اور وجاہت میں ہم سے زیادہ ہیں ۔حکومت میں ان کا دخل ہے، رعایا پر ان کا اقتدار ہے، ان حالات میں ان کی اصلاح کے لئے ہمیں کتنی بڑی جد و جہد کی ضرورت ہے اس کے لئے تو ہمیں پاگل ہو جانا چاہئے اور ہمیں دنیا کی بگڑی ہوئی حالت کو دیکھ دیکھ کر اضطراب اور بے چینی کے ساتھ کہنا چاہئے کہ یہ بھی خراب ہے اور وہ بھی خراب ہم اصلاح کریں تو کس کس کی کریں ۔ مگر ہم میں سے بعض اس طرح مطمئن ہو کر بیٹھے ہیں جیسے دنیا کو فتح کر کے کوئی شخص بیٹھ رہتا ہے ۔ بیسیوں دفعہ میں نے اپنی جماعت کے لوگوں سے کہا ہے کہ آرام تمہارے نصیب میں نہیں اگر تم اخروی اور دائمی آرام چاہتے ہو تو تمہیں اس چند روزہ آرام کو قربان کرنا پڑے گا بلکہ اب تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک بھاری پروگرام ہمارے سامنے ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کے مطابق کام بھی شروع ہے مگر بہت ہیں جنہوں نے ابھی تک اس پروگرام پر عمل کرنا شروع نہیں کیا ۔ میں نے کہا تھا کہ اپنی زندگیوں کو خدمت دین کے لئے وقف کرو اور سال میں سے مہینہ دو مہینے یا تین مہینے تبلیغ کے لئے دو مگر اب تک اتنے آدمیوں نے بھی اپنے آپ کو وقف نہیں کیا جتنے قادیان میں رہتے ہیں حالانکہ دو اڑھائی مہینے سے کام شروع

ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کام کے نتیجہ میں تھوڑے دنوں میں ہی اتنا عظیم الشان تغیر پیدا ہو گیا ہے کہ میں خیال کرتا ہوں اگر سارے احمدی اس کام پر لگ جائیں تو دنیا دیکھتی کی دیکھتی رہ جائے اور ہمارا قدم ترقیات کی بلند ترین چوٹیوں پر پہنچ جائے۔ اس نئی تحریک کے نتیجہ میں تبلیغ کر کے مختلف مقامات پر دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص مضبوط ہاتھوں سے احمدیوں پر پتھر چلا رہا ہے مگر اس کا دل اللہ تعالیٰ کی خشیت سے اندر ہی اندر خوف زدہ ہوتا ہے اور وہ آپ ہی علیحدگی میں ملتا ہے اور کہتا ہے میری بڑی بیوقوفی تھی کہ میں نے آپ کو تکلیف پہنچائی۔ پس ان ظالموں میں سے بھی وہ لوگ نکل آتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں اس وقت احمدیوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ ابھی ایک واقعہ کی اطلاع موصول ہوئی ہے، ایک جگہ ایک احمدی تبلیغ کرنے کے لئے گیا تو ایک مخالف مولوی نے اس احمدی پر حملہ کر دیا اور اسے بُرا بھلا کہا اور کچھ مارا پیٹا بھی۔ چند دنوں کے بعد وہ احمدی پھر اس گاؤں میں تبلیغ کے لئے آیا تو اسی غیر احمدی نے پھر حملہ کر دیا اس پر غیر احمدیوں نے خود اپنے مولوی کو ملامت کی اور کہا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم نے پہلے بھی اسے تکلیف دی اور اب پھر گالیاں دے رہے ہو۔ تو ان مخالفوں میں سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے ایسے دل نکل رہے ہیں جو محسوس کرتے ہیں کہ احمدیوں پر ظلم انتہاء کو پہنچ گیا۔ ظلم کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی۔ تم کسی سے انتہاء درجہ کی محبت تو کر سکتے ہو مگر کسی پر انتہاء درجہ کا ظلم نہیں کر سکتے۔ بیسیوں ظالموں کو ہم نے دیکھا ہے وہ مار مار کر اپنے دشمن کو بے ہوش کر دیتے ہیں لیکن جب وہ بے ہوش ہو جاتا ہے تو اس سے چمٹ جاتے اور اس کے منہ میں پانی ڈالتے اور اسے پنکھا کرنے لگ جاتے ہیں۔ کبھی دل میں یہ خیال آ جاتا ہے کہ اگر یہ مر گیا تو میں قاتل نہ سمجھا جاؤں، کبھی ضمیر انسان کو ملامت کرتی اور وہ اپنے فعل پر پشیمان ہوتا ہے، کبھی خدا کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو انتہاء درجہ کا ظلم کبھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت بہت بڑا تغیر ہو رہا ہے اور گو کام بہت تھوڑی جگہ شروع کیا گیا ہے لیکن جبکہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اتنا بڑا نور نازل کیا ہے تو آخر کب تک لوگ اس کے دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو بند رکھیں گے۔ یقیناً ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ ہدایت پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا اگر ہم فعل دیکھیں تو اس سے بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اندھا پن انتہاء نہیں رکھتا مگر محبت الٰہی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو محبت الٰہی کے نتیجہ میں غیر مقطوع جنت کا وعدہ دیا

گیا ہے مگر روحانی اندھا پن کے نتیجہ میں غیر مقطوع دوزخ کا وعدہ نہیں کیا گیا بلکہ کہا گیا ہے کہ لمبی دوزخ ہوگی اور بالآخر دوزخیوں کو اس میں سے نکال لیا جائے گا۔۵ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نابینائی انتہاء کو نہیں پہنچتی مگر بینائی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے۔ غضب اور ظلم کی سزا غیر محدود نہیں لیکن محبت اور رحم کی جزاء غیر محدود ہے۔ صاف پتہ لگتا ہے کہ محبت کو ہم انتہاء تک پہنچا سکتے ہیں لیکن ظلم کو انتہاء تک نہیں پہنچا سکتے۔ پس اس عظیم الشان مقصد کو مت بھولو جو تمہارے سامنے ہے بہت بڑا کام ہے جسے تم نے سرانجام دینا ہے۔ وہی سکیم لے لو جو میں نے تمہارے سامنے پیش کی ہے اور جو دریا میں سے ایک قطرہ کی حیثیت رکھتی ہے اس پر ہماری جماعت نے ابھی کامل طور پر عمل نہیں کیا۔ کل ہی مجھے معلوم ہؤا کہ ہماری انجمن پر ایک لاکھ تین ہزار روپیہ کا قرض ہے۔ کیا کوئی عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر ہم متفقہ طور پر کوشش کریں تو یہ ایک لاکھ تین ہزار کا قرض ہم نہیں اتار سکتے۔ میں تو سمجھتا ہوں اگر ہم پوری جدوجہد سے کام لیں تو ایک مہینہ میں ہی یہ قرض اتر سکتا ہے مگر مجھے افسوس ہے کہ جماعت کے بعض افراد کو اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں۔ مجھے ہمیشہ اس پالیسی سے اختلاف رہا ہے کہ جماعت کے کمزوروں کو چھوڑ کر صرف مخلصین جماعت سے کام لیا جائے کیونکہ اس طرح جماعت کا ایک حصہ ترقی کرنے سے کلیۃً محروم ہو جاتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اگر میں یہ بھی کہوں کہ جانے دو کمزوروں کو اور آؤ صرف مخلصینِ جماعت کے ذریعہ اس قرض کو اتارا جائے تب بھی یہ قرض اتر سکتا ہے۔ کئی لوگ کہا کرتے ہیں کہ اس طرح کیا جائے مگر میرا طریقِ عمل یہی ہے کہ میں ساری جماعت کو اُبھارا کرتا ہوں اور یہی ضروری ہؤا کرتا ہے۔ ورنہ ایک دفعہ پہلے میں نے یہ تجویز کی اور آٹھ دس مخلصین سے کہا کہ جماعت کی مالی حالت اس وقت ایسی ہے کہ ضروری ہے کہ ہم اپنی ساری جائدادیں اس کے لئے دے دیں۔ گو اس وقت اس تجویز کو عملی جامہ نہ پہنایا گیا لیکن میں نے دیکھا کہ اگر وہ آٹھ دس آدمی ہی اپنی ساری جائدادیں سلسلہ کو دے دیتے تو لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی جائدادیں دے سکتے تھے حالانکہ صرف چند آدمیوں سے میں نے وہ وعدے لئے تھے۔ پس اگر خدا تعالیٰ وہ دن لائے اور خدا کرے کہ ہماری جماعت پر وہ دن نہ آئے جب جماعت کے کمزور حصہ کو چھوڑ دینا پڑے تب بھی چند مخلصین مل کر سلسلہ کی مالی حالت کو مضبوط کر سکتے ہیں اور اپنی جائدادیں اسے دے سکتے ہیں گو یہ الگ سوال ہے کہ جائدادوں کا بیچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اب موجودہ فتن کو دور کرنے اور تحریک جدید کو وسعت دینے

کے لئے میں نے ایک تجویز کی ہے جس کا آج اعلان کرتا ہوں اور وہ یہ کہ ہر مہینہ میں ایک خطبہ جمعہ تمام احمدیہ جماعتوں میں میری جدید تحریک کے متعلق پڑھا جائے اور اس میں جماعت کو قربانیوں پر آمادہ کرتے ہوئے ان میں نیکی اور تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ میری مفصل تحریک کو مدنظر رکھ کر ہر جماعت مہینہ میں ایک خطبہ جمعہ اس کے متعلق پڑھے اور تحریک کے مختلف حصوں کو مختلف خطبات میں بیان کر دیا جائے۔ مثلاً ایک خطبہ مالی قربانی کے متعلق پڑھ دیا جائے دوسرا خطبہ زندگی وقف کرنے کے متعلق پڑھ دیا جائے اور تیسرا خطبہ جماعت میں صلح و محبت قائم کرنے کے متعلق پڑھ دیا جائے۔ اسی طرح تحریک کے تمام حصے ایک ایک کر کے مختلف خطبات کے ذریعہ جماعت تک پہنچائے جائیں۔ پھر ایک اور تجویز میں نے یہ کی ہے کہ ہر چھ ماہ کے بعد ایک دن مقرر کر کے ہر جگہ کی جماعتیں اپنے اپنے مقام پر جلسے کریں جس میں تحریک جدید کے متعلق لیکچر دیئے جائیں۔ اس سال کے لئے میں نے ۲۶ رمئی کی تاریخ مقرر کی ہے اور اس تاریخ کو غالباً اتوار کا دن ہوگا بلکہ مجھے یاد آیا اس تاریخ کو اتوار کا ہی دن ہے کیونکہ اس کے متعلق میرے ذہن میں ایک واقعہ بھی تازہ ہو گیا۔ ایک دفعہ میں یہی سوچ رہا تھا کہ کون سا دن اس غرض کے لئے مقرر کیا جائے کہ مجھے خیال آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کا دن ایسا ہے جس دن جماعت اپنے فرائض کی طرف زیادہ عمدگی سے متوجہ ہو سکتی ہے اس پر میں نے ایک دوست سے کہا کہ حساب کرو اس تاریخ کو کون سا دن ہوگا انہوں نے حساب کیا تو اتوار نکلا۔ پس ۲۶ رمئی اتوار کے دن ہر جگہ کی جماعتیں جلسے کریں اور مختلف لوگ مختلف موضوعات پر لیکچر دیں۔ مثلاً کوئی صلح و محبت پر لیکچر دے، کوئی اس پر لیکچر دے کہ چندوں کے بقائے صاف کئے جائیں، کوئی اس بات پر لیکچر دے کہ لڑکوں کو تعلیم کے لئے قادیان بھیجا جائے، کوئی اس بات پر لیکچر دے کہ تحریک جدید کے آئندہ سال کے چندہ کے لئے جماعت کو تیار رہنا چاہئے، اس سال کا چندہ ہی گو وعدوں کے لحاظ سے ایک لاکھ دس ہزار تک پہنچ گیا تھا مگر نقد رقم اب تک صرف پچپن ہزار وصول ہوئی ہے حالانکہ بجٹ جو تحریک جدید کے متعلق بنایا گیا ہے ستّر ہزار کا بنا ہے اور یہ ستّر ہزار کا بجٹ بہت سے ایسے کام ترک کر کے بنایا گیا ہے جن کے ذریعہ دنیا میں شور مچایا جا سکتا تھا۔ یہ تجاویز جو میں نے بیان کی ہیں انچارج تحریک جدید کی طرف سے چھپوا دی گئی ہیں اسی طرح ایک چارٹ بھی ایک کاتب دوست تیار کر رہے ہیں دوستوں کو چاہئے کہ جب وہ تیار ہو جائیں تو انہیں خرید کر اپنے

کمروں میں لٹکالیں تا کہ ہر وقت سکیم انہیں یاد رہ سکے مجھے یقین ہے کہ اگر جماعت اس تحریک پر عمل کرے تو یہ اس کے لئے بہت بابرکت ہوگا تحریک کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ہر شخص اپنا روپیہ امانت فنڈ میں جمع کرائے بہت سے دوست ایسا کر رہے ہیں مگر بعض نہیں بھی کرتے حالانکہ اگر کوئی دس میں سے ایک روپیہ بھی ہر مہینے جمع کرادے تو یہ اس کے لئے مفید ہوگا اور ایسے کام درمیان میں نکل سکتے ہیں جن کے ماتحت اس کا تھوڑا سا روپیہ بھی بہت بڑی آمد کا ذریعہ بن جائے۔

غرض ۲۶ رمئی کی نسبت مَیں یہ اعلان کرتا ہوں کہ اس دن تمام جماعت کو چاہئے کہ وہ جلسے کرے اور جس طرح عید کے دن مرد اور عورتیں اکٹھی ہوتی ہیں اسی طرح اس دن جمع ہو کر تحریک جدید کے ہر حصہ پر تقریریں کی جائیں اگر کسی جماعت کے افراد تھوڑے ہوں تو ان میں سے ایک ایک شخص تحریک کے دو دو چار چار حصوں پر تقریریں کر سکتا ہے اور اگر زیادہ ہوں تو ایک ایک حصہ پر علیحدہ علیحدہ ہر شخص لیکچر دے سکتا ہے یہ ضروری نہیں کہ وہی دلائل دیئے جائیں جو میں بیان کر چکا ہوں بلکہ اگر کوئی شخص اس کے علاوہ دلائل رکھتا ہو تو وہ بھی بیان کئے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر مہینہ میں ایک خطبہ جمعہ جماعت کے سامنے تحریک جدید کے متعلق پڑھا جائے اور کسی میں جماعت میں صلح ومحبت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، کسی میں نمازوں کی پابندی کی تاکید کی جائے، کسی میں چندوں کی ادائیگی کی طرف متوجہ کیا جائے اور کسی میں جماعت کو تقویٰ اور طہارت پیدا کرنے کی نصیحت کی جائے۔ کئی لوگ ایسے ہؤا کرتے ہیں جو اپنے آدمیوں سے بات عمدگی سے سمجھ سکتے ہیں اس لئے وہ اس طریق سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں پھر کئی ایسے ہوتے ہیں جو سلسلہ کی اخباریں نہیں پڑھتے اور اس طرح انہیں پورا علم نہیں ہوتا غرض ہر مہینہ میں اگر ایک خطبہ جمعہ اس تحریک کے متعلق پڑھا جائے اور اپنی زندگیوں کو خدمت دین کے لئے وقف کر کے تبلیغ کی جائے تو میں سمجھتا ہوں اگر جماعت تعہّد سے اس پر عمل کرے تو جن فتن کو دور کرنے کے لئے میں نے سکیم بنائی ہے وہ فتن خدا تعالیٰ کے فضل سے دور ہو جائیں اور چھ سات ماہ کے بعد ہی ایک نیا رنگ دنیا میں پیدا ہو جائے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا

ہوں کہ وہ ہماری جماعت کی اصلاح فرمائے اور اسے یہ سمجھنے کی توفیق دے کہ ایک سیکنڈ جو ضائع جارہا ہے یہ ہمیں بہت بڑی مشکلات میں مبتلا کرنے والا اور اسلام کو نقصان پہنچانے والا ہے۔

(الفضل ۲۴/اپریل ۱۹۳۵ء)

۱؎ النور: ۳۶ تا ۳۹

۲؎ موضوعات ملّا علی قاری۔صفحہ ۳۵۔مطبع مجتبائی دہلی

۳؎ پڑاوے: بھٹا

۴؎ الجن: ۲۰

۵؎ تفسیر معالم التنزیل الجزء الثالث۔ صفحہ ۲۴۳۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۵ء